محسنِ انسانیت ؐ

(بسلسلۂ گذشتہ)

(نعیم صدیقی)

یہود کا شائیلاکی طرزِ عمل | یہ تو معلوم عام حقیقت ہے کہ مدینہ کے محدود ذرائع و وسائل پر جب مہاجرین کی روز افزوں آبادی کا بار پڑنے لگا اور بے سرمایہ و بے سہارا لوگ اپنی معاشی زندگی کی تعمیر نو میں آکر لگے تو تحریک کے بیشتر کارکنوں پر عالم فقر و فاقہ چھا گیا۔ اس امتحان فقر و فاقہ میں خود تحریک کا لیڈر اور اس کے گھر کے لوگ سب عام ساتھیوں کے ساتھ برابر کے شریک تھے، بلکہ آزمائش میں سے زیادہ حصہ اسی محسن انسانیت کو ملا۔ مصیبت کبھی تنہا نہیں آتی! فقر و فاقہ کی صبر آزمائیوں کو مہاجرین کی بیماری نے دو گنا کر دیا۔ نئی آب و ہوا باہر سے آنے والوں کو راس نہ آئی اور یکے بعد دیگرے سچائی کے نظام کے سپاہی بیمار ہونے لگے۔ بخار کی ایک وبا پھیل گئی اور یہ بخار بڑا سخت اور موذی ثابت ہوا۔ ناقص غذا کے ساتھ اس نئی بلا نے جس کو نشانہ بنایا اس کو ہڈیوں کا ڈھانچ بنا کے چھوڑا۔ لوگ معاشی تگ و دو کے قابل نہ رہے۔ ایک طرف تحریک کا سفینہ مشکلات اور مخالفتوں کے نت نئے گردابوں سے دوچار تھا۔ نوخیز اسلامی ریاست ہر پہلو سے محتاج تعمیر تھی، اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے طرح طرح کے خطرات تھے۔ افرادِ کار صاحبِ فراش ہو رہے تھے اور پیٹ بھرنے کو روٹی اور تن ڈھانکنے کو کپڑے کا پورا پورا انتظام نہ تھا۔ اس مرحلے کو چھوٹی سی انقلابی پارٹی نے جس طاقت کے بل پر پار کیا وہ ایمان باللہ، مقصد کی محبت اور باہمی جذبۂ اخوت کی طاقت تھی۔ دراصل بڑے بڑے تاریخی کارنامے انجام دینے والے افراد اور تنظیموں کی مرکزی طاقت ہوتی ہی ہے ایمان اور اخوت! اسی طاقت نے نحیفوں کو قوی بنائے رکھا اور اسی طاقت نے ذرائع و وسائل کی کمی کے اثرات کو کم سے کم تر کر دیا۔ تاہم ناسازگار حالات کے خلاف جو کچھ جدوجہد ہو رہی تھی اسے اس وبائے عام نے بہت کمزور کر دیا اور اس دوران میں

یہ چرچا بھی ہونے لگا کہ مدینہ کے یہودیوں نے جادو کر دیا ہے اور اب مسلمان پنپ نہیں سکیں گے۔ حالات کیسے سنگین تھے، آئیے، اس کا اندازہ کرنے کے لیے محسن انسانیت کے چند رفقائے کار سے ملیے۔

یہ دیکھیے، سیدنا حضرت ابوبکرؓ ہیں۔ بستر مرض پر مارے کرب کے تڑپ رہے ہیں۔ اور ایک شعر میں اپنے دلی اضطراب کا اظہار کر رہے ہیں:۔

کل امری مصبح فی اھلہ   والموت ادنیٰ من شراک نعلہ

حالت یہ ہے کہ اپنے لیے موت کو جوتی کے تسمہ سے بھی زیادہ قریب پا رہے ہیں۔

اور ادھر ملاحظہ فرمائیے، یہ سیدنا بلالؓ ہیں۔ کروٹیں لے رہے ہیں اور دردبھری لے میں الاپ رہے ہیں:۔

الا لیت شعری ھل ابیتن لیلۃ   بواد وحولی اذخر وجلیل

وھل اردن یوما میاہ مجنۃ   وھل یبدون لی شامۃ وطفیل:

یہ مکہ کی وادیوں اور چشموں اور پہاڑیوں کی یاد تازہ کی جا رہی ہے۔ اس وادی میں ایک رات گذار لینے کی حسرت کا اظہار ہے جس میں اذخر اور جلیل نام کی گھاسیں اُگتی ہیں۔ اور ہاں، مجنہ کے چشمے کا پانی پینے اور شامہ اور طفیل نامی پہاڑیوں کا منظر دیکھنے کے ارمان ابلے چلے آ رہے ہیں۔

اور آئیے، ملاحظہ فرمائیے، یہ عامرؓ ہیں۔ لبوں پر کیا ہی بیتاب کن شعر رقصاں ہے:۔

انی وجدت الموت قبل ذوقہ   ان الجبان حتفہ من فوقہ

ان کے ابتلائے بدن کا عالم یہ ہے کہ موت کے آنے سے پہلے موت کی آہٹ سن رہے ہیں۔

پھر یہ ہیں حضرت شدادؓ۔ رسول اللہ اپنے اس رفیق کی عیادت کے لیے تشریف لاتے ہیں۔ مریض بے قرار کہتا ہے کہ اگر بطحان کا پانی پی لیتا تو اچھا ہو جاتا۔ رسول فرماتے ہیں کہ چلے جاؤ، کون روکتا ہے۔ مریض کہتا ہے "ہجرت!"۔ رسول تسلی کے لیے فرماتے ہیں کہ "چلے جاؤ، تم جہاں بھی ہو گے، مہاجر ہی رہو گے"!

صلح حدیبیہ پر جب مسلمان مکہ گئے تو ان کے بدن بار بار کی علالتوں نے ایسے چور چور کر دیئے

ہوئے تھے کہ اہلِ مکہ کی طرف سے طعنے دیئے گئے کہ اور جاؤ نا مدینہ! انہی طعنوں کا ردِ عمل تھا کہ رسول اللہ کے ارشاد کے تحت مسلمان اکڑ اکڑ کر چلتے تھے۔

انہی حالات کی بنا پر حضور فرماتے تھے کہ ان شان الھجرۃ لشدید، یعنی ہجرت کا معاملہ بڑا سنگین ہے، کوئی کھیل نہیں! اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا، ایک بدو نے آکر سرورِ عالم کے ہاتھ پر بیعت کی، لیکن مدینہ میں آتے ہی بخار نے آلیا، اس نے اس کو اسلام کی بدشگونی قرار دیا اور اصرار کرکے بیعت ختم کرائی اور چلا گیا۔ اس واقعہ پر حضورؐ نے فرمایا کہ مدینہ سُنار کی بھٹی کی مانند ہے کہ کھوٹ میل کو اگل دیتی ہے اور زرِ خالص کو الگ کرلیتی ہے (بخاری) یعنی تحریکوں کے کارِ عظیم کے لیے جو لوگ اُٹھتے ہیں ان کو قدم قدم پر ایسے مراحلِ ابتلا پیش آتے ہیں کہ جن کو پار وہی کرتا ہے جس کے پاس ایمان کا زرِ کامل عیار موجود ہو، کھوٹا مال کسی نہ کسی مرحلے میں الگ ہو جاتا ہے۔ سو مدینہ کا یہ مرحلۂ ابتلا سُنار کی بھٹی کا سا کام کر رہا تھا۔[1]

یہی دور تھا جبکہ حضور سرورِ عالم نے اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا کی کہ "اے اللہ! ہمارے لیے مدینہ کو ویسا ہی دلکش بنا دے جیسے مکہ کو بنایا تھا، یا اس سے بھی زیادہ ۔ اور ہمارے لیے اس کے پیمانوں (یعنی غلے اور پیداوار) میں برکت عطا فرما، اور اس پر آئی ہوئی وبا کو مھیعہ (میقاتِ اہلِ شام) کی جانب منتقل کر دے۔[2]

دوسری طرف عالمِ فقر و فاقہ کی کیفیت حد درجہ تشویشناک تھی۔ نئی جگہ آکر معاشی زندگی کی نیو ڈالنا اور پھر اس میں کسبِ حلال کا اہتمام کرنا اور وہ بھی اس عالم میں جبکہ ایک تحریک لمحہ لمحہ انفاقِ مال کے مطالبات لیے سامنے کھڑی ہو، ایسے حالات میں جو ابتلا پیش آسکتا ہے وہ ظاہر ہے۔ علمبرداران حق پر جو کچھ گزری اس کی دردناک روداد سے تاریخ، سیرت اور احادیث کے ذخائر بھرے پڑے ہیں۔ حضرت ابوطلحہ اس دورِ ابتلا کا حال یوں بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ بھوک کی مصیبت میں گھُل گھُل کر

---

[1] اسوۂ صحابہ از مولانا عبدالسلام ندوی ص ۳۲-۳۳

[2] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۳۹

جب تنگ آگئے تو سہارا حاصل کرنے کے لیے سرورِ عالم کی خدمت میں پہنچے۔ حال بیان کیا اور پیٹ کھول کر دکھلائے کہ کئی روز کے فاقے کی وجہ سے (معدے میں ہونے والی ایک خاص جلن کو روکنے کے لیے) پتھر باندھ رکھے تھے۔ اس پر تاریخ کی اس عظیم ترین شخصیت نے اپنے پیٹ سے کپڑا اٹھا کر دکھایا کہ ایک نہیں، دو دو پتھر بندھے تھے۔ اس منظر کو دیکھ کر اپنا دکھڑا بیان کرنے والوں کی تسلی ہوگئی[1]۔

ایک مرتبہ اسی حال میں حضرت ابوبکر بے وقت آئے اور چاہا کہ تسکین حاصل کرنے کے لیے اپنی تکلیف بیان کریں، مگر پھر خیال ہوا کہ اس سے قائدِ اسلام کو خواہ مخواہ مزید پریشانی ہوگی۔ تھوڑی دیر میں حضرت عمر بھی آپہنچے۔ وہ بھی اسی امتحان کا شکار تھے۔ باعثِ آمد پوچھا گیا تو انہوں نے صاف صاف عرض کیا کہ بھوک کے مارے بیتاب ہوں۔ حضورؐ نے یہ سنا تو فرمایا کہ میرا بھی حال کچھ ایسا ہی ہے۔ طے پایا کہ اپنے رفیقِ مخلص ابوالہیثم کے ہاں چلیں۔ ابوالہیثم باغات کے مالک اور خوش حال تھے تینوں اپنے رفیق کے ہاں پہنچے تو وہ بچارے خادم نہ ہونے کے سبب خود ہی پانی لینے گئے ہوئے تھے۔ آئے تو فرطِ مسرت سے لپٹ گئے۔ پھر باغ میں سے جا کر دسترخوان بچھایا اور کھجوریں توڑ کر حاضر کیں۔ کھجوریں کھا کر ان فاقہ کشانِ راہِ حق نے ٹھنڈا پانی پیا اور خدا کا شکر ادا کرتے اور ابوالہیثم کے لیے دعائے خیر کرتے واپس ہوئے[2]۔

سعد بن ابی وقاص نے ایک موقع پر بیان کیا کہ تحریکِ محمدیہ کا میں ہی وہ رکن ہوں جس کے ہاتھ سے ایک دشمنِ حق کا پہلا خون گرا، میں ہی ہوں جس نے جہاد میں اولین تیر پھینکا۔ ہم لوگوں نے ایسی حالت میں جہاد کیا ہے کہ ہم درختوں کے پتے اور کیکر کی پھلیاں کھایا کرتے تھے اور اس وجہ سے منہ کے کنارے زخمی ہو جاتے تھے اور اجابت اونٹوں اور بکریوں کی مینگنیوں کی شکل اختیار کر جاتی تھی[3]۔

حضورؐ کے رفیقِ خاص حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ "۔۔۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ جب میں منبرِ نبوی اور حضرت عائشہ کے حجرہ کے درمیان بھوک اور فاقہ کی شدت کے مارے بیہوش پڑا ہوتا تھا اور لوگ

---

[1] شمائل ترمذی۔ باب ما جاء فی عیش النبی۔ [2] ایضاً

[3] ایضاً۔ یہ قول اگرچہ بعد کے دور سے متعلق ہے لیکن اس سے مدینہ میں پیش آمدہ معاشی ابتلاء کا عمومی اندازہ ہوتا ہے۔ یہ واقعہ سریہ خبط (جو باختلاف اقوال ۸ھ یا ۹ھ میں ہوا) کا واقعہ ہے۔

مجھ کو جنون زدہ سمجھ کر (بطورِ علاج) پاؤں سے میری گردن دباتے تھے، حالانکہ مجھے جنون نہیں ہوتا تھا، وہ محض بھوک کا عالم ہوتا تھا۔[1] حضرت ابوہریرہؓ ہی کا بیان کردہ ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ آپ حضرت عمرؓ کے ساتھ ساتھ چلے جا رہے تھے اور کسی آیت کا مفہوم زیرِ بحث تھا، باتیں کرتے کرتے اور ساتھ چلتے چلتے یکایک حضرت ابوہریرہؓ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ فاقہ کشی نے نوبت یہاں تک پہنچا دی تھی۔

اس عالم میں حضورؐ اگرچہ بیت المال میں آنے والی دولت کو ساتھ کے ساتھ رفقا کو سنبھالنے کے لیے صرف کرتے جاتے تھے مگر دائرہ صرف اتنا وسیع تھا کہ بیت المال کی آمدنیاں اور انصار اور خوشحال مہاجرین کے فراخدلانہ انفرادی صدقات بدرجۂ ادنیٰ بھی کافی نہ ہوتے تھے۔ عام فاقہ زدہ مہاجرین کے ساتھ ساتھ اصحابِ صفہ کا مستقل دارالاقامہ ضرورت مند تھا، مہمان آتے تھے، بدوی لوگ وقتاً فوقتاً اسلام لاتے، زیارت کرنے اور احکام معلوم کرنے آتے، سائل آ آ کر سوال کرتے، اور مسلسل نئے مہاجرین کی آمد رہتی۔ ان حالات میں بیت المال بچارا بھی کیا کر سکتا تھا۔ جب رفقاء اور اہلِ حاجت کی ضروریات کا دباؤ شدید ہوتا تو قائدِ تحریک یا تو اعانت کے لیے اپیل کر دیتے اور لوگ جذبۂ صادق سے اپنا مال نچوڑ دیتے، یا پھر قرض لینا پڑتا۔ قرض اپنی جماعت کے اندر سے کچھ زیادہ مل نہ سکتا تھا، لہٰذا یہودی مالداروں کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ یہودیوں کا حال یہ تھا کہ یہ لوگ پکے مہاجن اور سود خوار تھے اور ان کے سودی جال تمام علاقے میں پھیلے ہوئے تھے۔ لیکن محمدؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کو وہ جس غرض سے قرض دیتے تھے وہ سود سے زیادہ بڑی چیز تھی۔ وہ یہ تھی کہ روپے اور احسان داری کے زور سے ان پر قابو پایا جائے اور اس ذہنیت کے ساتھ وہ قرض خواہی میں بالکل شائیلاک کی ذہنیت کا مظاہرہ کرنے اور توہین و تذلیل پر اتر آتے۔ یہی حال مشرکین کا تھا۔ اس تلخ تجربے سے خود سرورِ عالم کو بھی گزرنا پڑا اور آپ کے ساتھیوں کو بھی۔ بہت سارے واقعات سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ آہ! دنیا کی بھلائی کے لیے زندگیوں کی بازی لگا دینے والوں نے یہ سب کچھ بھی بھگتا، مگر اس مفلوک الحالی پر بھی اپنے ایمان اور مقصد کے بارے میں تحریک کے سپاہیوں میں کوئی تزلزل نہیں آیا۔

---

[1] شمائل ترمذی۔ باب ما جاء فی عیش رسول اللہ صلعم۔

محسن انسانیتؐ نے اپنے قریبی رفیق اور ذاتی نائب حضرت بلالؓ کو حکم دے رکھا تھا کہ تحریک اور اس کے سپاہیوں کی ضروریات پر وہ آمدنیوں کو بے دریغ صرف کریں۔ حضرت بلالؓ اسی طریق کار پر کاربند رہتے تھے۔ ایک مرتبہ لوٹے ہزار درہم کی رقم آئی اور ایک بوریئے پر ڈھیر لگا دی گئی۔ وہیں بیٹھے بیٹھے سرورِ عالمؐ نے اسے ضرورت مندوں میں تقسیم کرا دیا اور ایک حبہ باقی نہ رہا۔ تقسیم ہو چکنے کے بعد ایک سائل آگیا تو اس کے لیے قرض لینے کا حکم دیا۔ حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ کسی موقع پر سیدنا بلالؓ کے سامنے کھجوروں کا ایک ڈھیر لگا پڑا تھا۔ حضورؐ نے دریافت کیا یہ کیسا مال ہے؟ سیدنا بلالؓ نے عرض کیا کہ اسے مستقبل کی نادیدہ ضرورتوں کے لیے روک رکھنے کا ارادہ ہے۔ فرمایا، کیا تم نچنت ہو گئے ہو کہ کل قیامت کے دن کہیں اس مال کو یوں روک رکھنے کے بدلے جہنم کا دھواں تم تک پہنچے۔ خرچ کرو اے بلال! اور تختِ اقتدار کے مالک کی طرف سے کمی کا اندیشہ نہ کرو۔ حضرت بلالؓ ہی کا بیان ہے کہ مدینہ کا ایک مشرک ان کے پاس آیا اور خود پیشکش کی کہ میرے پاس وافر مال موجود ہے، جب ضرورت ہو مجھ سے لیا کریں۔ چنانچہ حضرت بلالؓ نے قرض لینا شروع کر دیا۔ یکایک ایک دن ایسا ہوا کہ حضرت بلالؓ وضو کر کے اذان کہنے کی تیاری میں تھے کہ وہ مہاجن اپنے ساتھ کچھ اور کاروباریوں کو لیے ہوئے آیا اور چلایا کہ "او حبشی!" حضرت بلالؓ اس کے پاس گئے۔ وہ بہت گرم ہوا اور برا بھلا کہنے لگا اور انتباہ دیا کہ مہینہ ختم ہونے کو ہے، اگر قرضہ وقت پر ادا نہ کیا تو عرب کے جاہلی طریقے کے مطابق، تم کو غلام بنا لوں گا اور تمہارا وہی حال ہو گا جو پہلے تھا۔ حضرت بلالؓ بیان کرتے ہیں کہ اس فضیحتے سے مجھ پر وہی کچھ گزری جو ایسے عالم میں ہر شریف آدمی پر گزرتی ہے۔ سیدنا بلالؓ عشا کی نماز کے بعد اپنا دکھڑا سنانے محسن انسانیتؐ کی خدمت میں پہنچے اور ادائیگی کی کوئی تدبیر نہ پا کر روپوش ہو جانے کا ارادہ ظاہر کیا اور کہا کہ جب قرض ادا کرنے کا کچھ انتظام ہو جائے گا تو میں واپس آجاؤں گا۔ لیکن پیشتر اس کے کہ حضرت بلالؓ اپنے ارادے کو عمل میں لاتے، اگلی ہی صبح محسن انسانیتؐ کی طرف سے بلاوا آیا۔ حاضر ہوئے تو دیکھا کہ حاکمِ فدک کی طرف سے سامان سے لدی ہوئی چار اونٹنیاں ہدیۃً کھڑی ہیں۔ قرض خواہ کو بلا کر حساب بے باق کر دیا گیا اور بقیہ مال حسبِ معمول مستحقین میں تقسیم کر دیا گیا۔

اسلامی تحریک کے ایک سپاہی ابو عبد اسلمی ایک یہودی کے مقروض ہو گئے۔ لیکن ادائیگی کے لیے وہ بجز تن کے کپڑوں کے اور کوئی چیز نہ رکھتے تھے۔ ابو عبد نے یہودی سے مزید مہلت طلب کی لیکن اس کی شائیلاکی فطرت ذرا بھی مہلت دینے پر تیار نہ تھی۔ وہ ابو حدرد کو پکڑ کر آنحضورؐ کے سامنے لے آیا اور اپنا مطالبہ پیش کیا۔ حضورؐ نے ابو حدرد کو ادائیگی کے لیے کہا۔ انہوں نے اپنے حالات سامنے رکھ کر عذر کیا۔ لیکن یہودی قرض خواہ کی غیر انسانی ذہنیت کے پیش نظر آپ نے اصرار کیا کہ جیسے بن پڑے ادائیگی کرو۔ انہوں نے پھر گذارش کی کہ غزوۂ خیبر سامنے ہے، شاید وہاں سے لوٹ کر آنے پر کوئی صورت حل نکل آئے۔ حضورؐ نے پھر بہ شدت اس بلا سے نجات پانے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ یہودی ابو حدرد کا تہ بند لے کر ٹلا اور اس مردِ حق کو اپنا عمامہ اتار کر کمر سے لپیٹنا پڑا۔ ذرا قرضہ کی رقم کی مقدار کا اندازہ کیجیے اور اس پر یہودی قرض خواہ کا اصرار دیکھیے۔ اور پھر اس ظالمانہ وصولی کا تصور کیجیے کہ اپنے مقروض کے تن کا کپڑا اتروا کے دم لیا۔[۱]

حضرت جابرؓ بن عبداللہ اسلامی تحریک کی ایک اور بزرگ ترین ہستی ہیں۔ یہ مدینہ کے رہنے والے تھے اور خاصے خوشحال تھے۔ پھر بھی حالات و ضروریات کے تحت ایک یہودی مہاجن سے وقتاً فوقتاً قرض لینے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ ایک سال اتفاق سے کھجوروں پر پوری طرح پھل نہ آیا اور قرضہ مقررہ وقت پر ادا نہ ہو سکا۔ یہودی مہاجن سے بہ مشکل اگلی فصل تک کے لیے مہلت مانگی۔ اگلی مرتبہ پھر فصل خراب ہوئی۔ مزید مہلت دینے سے مہاجن نے انکار کر دیا۔ آخر جابر بھی اپنی رام کہانی سنانے اپنے آقا کی خدمت میں پہنچے۔ حضورؐ چند رفقاء کو ساتھ لے کر یہودی کے گھر تشریف لے گئے اور اس سے اپیل کی کہ وہ جابر کو مہلت دے دے۔ اس نے انکار کیا۔ حضورؐ تھوڑی دیر کے لیے ادھر اُدھر گھومے اور ایک بار پھر آکر اس سے گفتگو کی۔ لیکن پتھر کو کسی طرف سے جونک نہ لگ سکی۔ پھر تھوڑی دیر کے لیے آپ سو گئے جاگے تو پھر جاکر وہی ذکر چھیڑا۔ مگر وہ ظالم نہ پسیجا۔ آخر کار آپ جابرؓ کی کھجوروں کے جھنڈ میں جاکر کھڑے ہوئے اور ان سے فرمایا کہ کھجوریں توڑو۔ کھجوریں توڑی گئیں تو توقع سے بہت زیادہ نکلیں۔ قرضہ

[۱] سیرت النبی۔ شبلی ج ۲ صفحہ ۲۲۳

بھی ادا ہو گیا اور خاصی مقدار بھی بچ رہی۔[1]

حضورؐ کی ایک ذاتی زرہ ایک یہودی قرض خواہ کے پاس رہن تھی۔ آخر دم تک آپ کے پاس اس کو فک کرانے کے لیے اندوختہ نہ ہو سکا۔[2]

ایک مرتبہ سرورِ عالم سے ایک بدوی قرض خواہ مطالبہ کرنے آیا۔ اپنے بدویانہ مزاج کے مطابق اس نے نہایت تندی سے گفتگو کی۔ رفقائے نبوت نے اسے احساس دلایا کہ تم دیکھتے ہیں کس ہستی سے ہم کلام ہو۔ وہ کہنے لگا کہ مَیں تو اپنا حق طلب کر رہا ہوں۔ حضورؐ اپنے رفقاء کو فرماتے ہیں کہ تم لوگوں کو اس کی حمایت کرنی چاہیے کیونکہ یہ اس کا حق ہے۔ پھر اس کا حساب بے باق کرنے کا حکم دیا اور اس کے حق سے کچھ زیادہ دلوا دیا۔[3]

زید بن سعنہ کا دلچسپ واقعہ ان حالات پر مزید روشنی ڈالتا ہے۔ یہ یہودی عالم تھے اور دیانتداری سے محسنِ انسانیت کے دعوائے نبوت کا جائزہ مختلف علامات کی روشنی میں لے رہے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ ایک بدو آیا اور حضورؐ سے آکر ملا۔ اس نے بیان کیا کہ میری قوم مسلمان ہو چکی ہے اور مَیں نے ان کو دعوت دیتے ہوئے کہا تھا کہ تم اگر اسلام لاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تم کو بھرپور رزق دیگا۔ لیکن بدقسمتی سے اُلٹا قحط پڑ گیا ہے۔ اب اگر ان کو سہارا نہ پہنچایا جائے تو اندیشہ ہے کہ وہ اسلام سے برگشتہ ہو جائیں گے۔ حضورؐ نے حضرت علیؓ کی طرف مستفسرانہ نگاہ سے دیکھا۔ انہوں نے عرض کیا کہ فی الوقت کچھ بھی موجود نہیں ہے۔ زید بن سعنہ نے پیشکش کی کہ مجھ سے ۸۰ مثقال سونا لے لیں اور اس کے عوض میں وقت معین پر کھجوریں دے دیں۔ معاملہ طے ہو گیا اور حضورؐ نے سونا لے کر بدوی کے حوالے کر دیا۔ زید بن سعنہ کا بیان ہے کہ مقررہ میعاد میں جب دو تین دن باقی رہ گئے تو وہ حضورؐ سے ایسے عالم میں دوچار ہوئے کہ آپؐ اپنے چند رفقا سمیت کسی کے جنازے کی نماز سے فارغ ہو کر ایک دیوار کے پاس تشریف فرما تھے۔ زید نے حضورؐ کے کرتے اور چادر کے پلوؤں کو کھینچتے ہوئے نہایت ترشروئی سے کہا کہ "اے محمد! میرا قرضہ ادا نہیں کرتے! خدا کی قسم میں تم سب اولادِ عبدالمطلب کو خوب جانتا ہوں کہ پکے نادہند ہو۔" حضرت عمرؓ نے زید کو گرم نگاہوں

1. سیرت النبی شبلی۔ ج ۲ ص ۱۳۷۔ 2. شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ صلعم۔ 3. سیرت النبی شبلی۔ ج ۲ ص ۲۲۹

سے گھورا اور کہا کہ او خدا کے دشمن! کیا کہتا ہے! خدا کی قسم اگر مجھے (حضور سے) اندیشہ نہ ہوتا تو تیری گردن اڑا دیتا" محسنِ انسانیتؐ نے حضرت عمرؓ کو سمجھایا کہ ایسے موقع پر آپ کو یہ چاہیے کہ ایک طرف مجھے حسن و خوبی سے ادائے حق کرنے کی تلقین کرتے، دوسری طرف اس شخص کو مطالبہ کرنے کے بہتر طریقہ کی نصیحت کرتے۔ پھر فرمایا کہ اب جاؤ اور جا کر اس کا حساب ادا کر دو اور ڈانٹنے کے بدلے میں بیس صاع (مدینہ کا ایک معروف پیمانہ) کھجوریں مزید دو۔

یہ در اصل زید بن سعنہ کی طرف سے صاحبِ نبوت کا آخری امتحان تھا۔ حضرت عمرؓ سے اپنا تعارف کرایا اور ان کو گواہ بنا کر اسلام قبول کیا اور اپنا آدھا مال ملتِ اسلامیہ پر صدقہ کر دیا۔ یہ زید یہودی مہاجنوں کی صف سے بالکل الگ اپنا مقام بلند رکھتے ہیں، لیکن ان کے واقعہ سے بھی یہ ضرور واضح ہو جاتا ہے کہ مدینہ میں تحریک اور اس کے افراد کی مالی مشکلات کس درجے کی تھیں اور ان کے زیرِ اثر آئے دن قرض اٹھانا پڑتا تھا اور قرض خواہوں کی طرف سے سختیاں برداشت کرنی پڑی تھیں۔

یہود اور بالائی مشرکین نے ایک طرف تو یہ مہاجنی محاذ تحریکِ اسلامی کے خلاف کھول رکھا تھا، دوسری طرف وہ ایک اور مہم میں بھی مصروف تھے۔ وہ یہ تھی کہ لوگوں کو "انفاق فی سبیل اللہ" سے روکا جائے تاکہ تحریک مالی کمزوری کی وجہ سے سوکھ سوکھ کر ختم ہو جائے۔ اس مقصد کے لیے ایک تو وہ ترغیبِ انفاق کی آیات کا مذاق اڑاتے تھے کہ لو جی، مسلمانوں کا خدا بھی دیوالیہ ہو کر قرض مانگنے نکل کھڑا ہوا ہے۔ کبھی کہتے کہ اسلامی تحریک کے خدا کا ہاتھ بند ہے۔ یہ باتیں یہودیوں سے چل کر منافقین کی زبانوں پر چڑھ جاتیں اور پوری فضا کو غبار آلود کر دیتیں۔ دوسری طرف وہ انفاق کرنے والوں سے مل مل کر کہتے کہ دیکھو، کیوں اپنا مال غارت کر رہے ہو، مکہ کے چند کنگالوں کو کھلا پلا کر تم کیا حاصل کر لو گے۔ اپنے بال بچوں کی خدمت کرو، کاروبار چلاؤ۔ آخر مال کا یہ کیا احمقانہ مصرف تم نے ڈھونڈا ہے۔ اس مہم کو چلانے والے یہود اور منافقین ہی کے بارے میں قرآن نے کہا کہ "یامرون الناس بالبخل" یعنی یہ لوگوں کو کنجوسی کی تعلیم دیتے ہیں۔ ان معلمینِ بخل میں کردم بن قیس (کعب بن اشرف

کا حلیف)، اسامہ بن حبیب۔ نافع بن ابی نافع، بحری بن عمرو، حُیَیّ بن اخطب اور رفاعہ بن زید بن تابوت نامور اور سربرآوردہ حضرات تھے۔ یہ انصار کے پاس آکر بیٹھتے اور ان سے ناصحانہ انداز میں کہا کرتے "اپنے مال یوں نہ اڑاؤ، یہ یوں جائیگا تو ہمیں تمہارے مفلوک الحال ہوجانے کا اندیشہ ہے، سو تم (تحریکِ اسلامی پر) خرچ کرنے میں اتنی تیزی نہ دکھاؤ، تمہیں کچھ سدھ بدھ نہیں کہ حالات کیا ہوجائیں گے۔"[1]

یہود کے پانچویں کالم کے کارندوں میں یہ سرگوشیاں ہوتی تھیں کہ "رسول اللہ کے ساتھیوں پر مال خرچ کرنے سے باز آجاؤ، تاآنکہ یہ سب چھٹ چھٹا جائیں" (قرآن - سورۂ منافقون - آیت ۷)

کتنی دُور اندیشانہ اسکیم تھی۔ یعنی ایک طرف سے جذبۂ انفاق کے سرچشمے کو بند کردیا جائے اور دوسری طرف مہاجن بن کر اپنے شائیلاکی پنجے کی گرفت تحریکِ اسلامی کی گردن پر کَسی جائے۔ اسکیم کامیاب ہوجاتی تو ایمان واستدلال اور عمل وکردار کے میدان میں مقابلہ کیے بغیر سر پر منڈلاتے ہوئے انقلاب کو شکست دی جاسکتی تھی۔ مگر معاملہ ایک خدائے دانا وبینا اور ایک حاکم قادر وتوانا سے تھا۔ اس کی گہری چالوں نے دشمنانِ حق کی چالوں کو شکست دے دی۔

اس داستان میں دیکھنے کی چیز محسنِ انسانیت اور تحریکِ حق کے پروردہ سپاہیوں کا وہ صابرانہ کردار ہے جو مخالفین کی ظالمانہ اور گھٹیا حرکات کے جواب میں نمودار ہُوا۔ انسانیت کا وہ کیسا اعلیٰ نمونہ تھا جس نے اخلاقی علو کا دامن سخت مایوس کن اور اذیت دینے والے حالات میں بھی نہ چھوڑا۔

یہود کا پیدا کردہ "پانچواں کالم"

تاریخ انسانی کے صدہا تجربات اس حقیقت کی شہادت دیتے ہیں کہ اخلاص کی رُوح اپنے اندر لیے جب کبھی کوئی دعوتِ خیر وفلاح فاتحانہ اقدام کرتی ہے تو اس کے مقابلے پر آنے والی ردِعملی طاقتوں میں سے ایک وہ ہوتی ہے جو رُو در رُو ہوکر اس سے ٹکر لیتی ہے اور قوت کی تلوار بے نیام کرکے آخر دم تک مقابلہ کرتی ہے۔ مگر ایسے فاسد عناصر جو اخلاقی پستی کی وجہ سے بزدلی اور کمینگی کی سطح پر گر چکے ہوتے ہیں وہ نفاق کی کمین گاہ میں بیٹھ کر ریشہ دوانیاں کرنے میں لگ جاتے ہیں۔ مشرکین مکہ کی ردِعملی حرکت پہلی نوعیت کی تھی، مگر مدینہ کے یہود اور ان کے ہم نواؤں نے دوسری پوزیشن اختیار کی۔

[1] سیرت ابن ہشام - ج ۲ ص ۲۰۵

تحریکِ اسلامی اب چونکہ ایک ریاست کی صورت اختیار کر گئی تھی اور یہ ریاست سب کی آنکھوں کے سامنے نشوونما پا رہی تھی اور ہر چہار جانب سے بیدار دل اور متحرک اور عمل پسند افراد کو چن چن کر اپنے ساتھ لے رہی تھی، لہٰذا مخالف طاقت حسد اور احساسِ کہتری کے خوفناک ردِّ عمل کا شکار ہوتی جا رہی تھی۔ مگر دلوں ہی دلوں میں جو ابال تھا اس کے لیے بہاؤ کا کوئی راستہ نہ تھا اور حالات پر اثر اندازی کی کوئی صورت ممکن نہ تھی۔ نظریۂ اسلامی کے مقابلے میں یہود کے پاس کوئی معقول، سیدھا سادہ، عوام کو اپیل کرنے والا اور حرکت پیدا کرنے والا تعمیری نظریہ نہ تھا۔ ان کے پاس کچھ بے جان اور کھوکھلے عقیدے تھے جو الٹا تاریخ کے بہاؤ کو روکنے والے اور انسانی فطرت میں جمود پیدا کر دینے والے تھے۔ ان کے پاس تحریکِ اسلامی کے پیدا کردہ اخلاقی کردار کے جواب میں برابر کی ٹکر کا اخلاقی کردار نہ تھا، بلکہ وہ کردار کے لحاظ سے انسانیت کے کم سے کم مطلوبہ معیار سے بھی گرے ہوئے تھے اور کوئی محرک باقی نہ تھا جو ان کو اس پستی سے اٹھا سکے۔ انسانیت کی تعمیرِ نو کی قرآنی دعوت جو نیا انسان بنا کے لائی تھی، یہودیت کا فرسودہ نمونۂ انسانیت اس کے سامنے کھڑا ہونے کے قابل نہ تھا۔ پروپیگنڈے کے میدان میں غلط فہمیوں اور شرارتوں کا کتنا ہی گرد و غبار وہ اڑاتے پھرے، لیکن استدلال کے میدان میں وہ زک پر زک اٹھا رہے تھے۔ پھر وہ اپنے آپ کو چاہے کچھ سمجھتے رہیں، تاریخ کی طاقت مسلم تحریک کے ساتھ تھی اور واقعاتی پیکار گاہ میں یہود پر ہر آن کاری ضربیں پڑ رہی تھیں۔ زمانہ ان کو پیچھے چھوڑ کر اسلامی نظریۂ حیات کا جھنڈا لہراتا آگے ہی آگے بڑھا چلا جا رہا تھا۔ سیاسی لحاظ سے وہ چاہتے تھے کہ اسلامی انقلاب کی شہ رگ کاٹ ڈالیں، لیکن حلیفانہ معاہدات نے ان کے ہاتھ باندھ رکھے تھے۔ اس واقعاتی نقشے میں گھر کر وہ اپنے آپ کو بےچارگی و بےبسی کے مقام پر پاتے۔ بےچارگی و بےبسی کے اس احساس نے ان کی سیرت کی بنیادی کمزوریوں کے ساتھ مل کر بزدلی کا رنگ اختیار کر لیا تھا۔ بےبسی اور بزدلی کے عالم میں آدمی کے اندر کام کرنے والے حریفانہ جذبات ہمیشہ حسد اور کینہ کی راہ سے اسے نفاق کی کمین گاہ تک لے جاتے ہیں۔ وہ مخالف پر سامنے سے وار کرنے کے بجائے پیچھے سے شبخون مارتا ہے۔ وہ کھلم کھلا تاخت و تاراج کے بجائے نقب زنی کی اسکیمیں بناتا ہے۔ یہود نے بھی اسی بزدلانہ موقف کو سنبھال لیا۔

"منافقین" کے ذلیل عنصر کے ظہور کے لیے واقعاتی صورتِ حال نے دو اسباب پیدا کر دیئے تھے۔ ایک تو وہی یہود اور ان کے ہم نواؤں کا حاسدانہ انتقامی جذبہ برسرِ عمل تھا اور اس جذبے میں چونکہ براہِ راست حملہ کرنے کی طاقت نہیں تھی، اس وجہ سے نفاق کا خفیہ محاذ برسرِ عمل آگیا۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر بہت سے لوگ اپنا مستقبل بنانے کے لیے اسی چور دروازے سے اندر داخل ہونے لگے۔

اس چور دروازہ کا افتتاح بہرحال یہودی ذہن نے کیا۔ ان کے اچھے اچھے سردار تھے جو اسلامی جماعت کی صفوں میں اپنے حریفانہ جذبات کو اسلام کے بہروپ میں چھپائے ہوئے داخل ہونے لگے۔ بنی قینقاع میں سے نمایاں مرتبے کے حسب ذیل بزرگ "پانچویں کالم" کے طور پر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔

(۱) سعد ابن حُنیف (۲) زید ابن لُصیت (۳) نعمان ابن اوفیٰ ابن عمرو (۴) رافع بن حُرملہ (۵) رفاعہ بن زید بن تابوت (۶) سلسلہ ابن برہام (۷) کنانہ ابن صُوریا۔

ان میں سے زید بن لُصیت وہ شخص ہے جو بنی قینقاع کے بازار میں حضرت عمرؓ سے نبرد آزما ہو گیا تھا۔ پھر یہی تھا جس نے رسول اللہ صلعم کی اونٹنی کے کھو جانے پر طعنہ دیا تھا کہ میاں تو آسمانوں کی خبریں دیتے پھرتے ہیں لیکن اتنا پتا نہیں کہ اونٹنی اس وقت کہاں ہے؟" اس کے جواب میں حضور نے فرمایا تھا کہ" بخدا میرا حال یہ ہے کہ میں بجز اس کے کچھ نہیں جانتا جو کچھ کہ اللہ تعالیٰ مجھے بتا دے۔ اور اب اللہ تعالیٰ نے مجھے اونٹنی کے بارے میں اطلاع دے دی ہے، سو وہ اس وادی میں ہے اور ایک درخت کے ساتھ اس کی باگ اُلجھ گئی ہے۔" چنانچہ رفقاء تلاش کو گئے تو بالکل یہی صورتِ واقعہ آنکھوں سے دیکھی۔

ان میں سے رافع بن حُرملہ کا مقامِ نفاق اتنا بلند تھا کہ جس دن وہ مرا تو سرورِ عالم نے خود فرمایا کہ "آج منافقین کے سرخیلوں میں سے ایک سرخیل مر گیا ہے۔" ایسا ہی مقام رفاعہ بن زید بن تابوت کا تھا۔ چنانچہ غزوہ بنی عبدالمصطلق سے واپسی پر طوفان سر اٹھا اور لوگ کچھ گھبرا گئے تو حضور نے تسلی دلاتے ہوئے فرمایا کہ یہ طوفان منافقین کے ایک سرخیل کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے متحرک ہوا ہے۔ لوگ مدینہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ رفاعہ کی روح اسی طوفان کی لہروں کے ساتھ پرواز کر چکی ہے۔[1]

[1] سیرت ابن ہشام ج ۲ صفحہ ۱۷۴-۱۷۵

دلچسپ حقیقت یہ ہے کہ منافقین کی صفوں میں جتنے بھی لوگ شریک ہوئے، سب کے سب پختہ سال اور خوش حال لوگ تھے۔ ان کے سامنے مفاد تھے اور ان کے مزاج بالعموم غلط خیالات و جذبات کے سانچے میں ڈھل کر پتھر کی طرح سخت ہو چکے تھے۔ نوجوان طاقت تحریک اسلامی کے ساتھ تھی۔ بروئے تحقیق صرف ایک نوجوان پانچویں کالم میں ملتا ہے جس کا نام قیس ابن عمرو ابن سہل تھا۔

یہ گروپ اتنا ہی معدود نہ تھا، بلکہ درحقیقت یہ چند حضرات تو پانچویں کالم کے قائد اور سالار تھے۔ یہ اپنے حلقوں سے منافقین بھرتی بھی کرتے، اسلامی جماعت کے اندر سے کمزور افراد کو تلاش کر کر کے ان کو متاثر بھی کرتے اور ان کو استعمال میں لاتے۔ تشکوک و شبہات پھیلا کر اور مسلمانوں کی مجلسوں میں سنجیدہ معاملات میں استہزاء و تضحیک کے پہلو پیدا کر کے فضا کو خراب کرنے کے درپے رہتے۔ مسجد میں جا کر تمام اہم گفتگوئیں سنتے اور پھر آ کر اپنی مجالس میں رپورٹ کرتے۔ راتوں کو سازشی مجالس میں بیٹھ کر شرارت کے نت نئے منصوبے بناتے اور نئے نئے طریقوں سے ان کو روبعمل لاتے۔ یوں تو اپنے اندازِ اطوار کی وجہ سے نفاق کا پیدا کردہ یہ بے ڈھنگا کردار نبی اکرمؐ اور مسلمانوں کی نگاہ میں پہچانا جاتا تھا اور ساتھ کے ساتھ ہر مرحلے پر وحی الٰہی کی روشنی ان کے خیالات، ان کی حرکات اور ان کی کارروائیوں اور سازشوں بلکہ ان کے مجرمانہ ضمیر کی خاص خاص علامات کو نمایاں کرتی رہتی تھی۔ لیکن ایک موقع پر مسجدِ نبوی میں ان اکابرینِ نفاق کی حرکات حدِ برداشت سے باہر ہو گئیں۔ مجمع عام میں یہ ٹولی کی ٹولی بالکل الگ دھڑا بنی بیٹھی تھی اور اپنی جگہ الگ کھسر پھسر کر رہی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر سرورِ عالمؐ نے ان کو مسجد سے نکل جانے کا حکم دیا۔ بعض بزرگ تو ایسے ہٹیلے تھے کہ ان کو "پا بہ دستِ دگرے دست بدستِ دگرے" کی شان سے نکالا گیا۔

لیکن ان سرخیلانِ نفاق کی خود اپنی مرکزی قیادت عبداللہ بن ابی کی ذاتِ گرامی میں مرتکز تھی۔ یہ شخص جو واقعۂ افک میں فتنہ کی باعود کو شعلہ دکھانے والا ہیرو تھا، اس کی رگ رگ میں اسلامی انقلاب کے خلاف بغض و کینہ کا آتشیں لاوا بھرا پڑا تھا۔ اس لاعلاج بغض و کینہ کی بنیاد کیا تھی، یہ اُسید بن حُضیر کی زبانی سنیئے جنھوں نے غزوۂ بنی عبدالمصطلق کے موقع پر عبداللہ بن ابی کی ایک شر انگیزی پر تبصرہ کرتے

ہوئے قائدِ انسانیت کی خدمت میں عرض کیا کہ:

"یا رسول اللہ! اس شخص (کے دکھی جذبات) کی رعایت فرمایئے۔ مدینہ میں جب آپ کا ورود ہوا تھا تو اس موقع پر ہم اس کو بادشاہت کی مسند پر بٹھانے کی پوری تیاریاں کر چکے تھے اور اس کے لیے تاج تیار ہو رہا تھا۔ آپ کی آمد سے اس کا بنا بنایا کھیل بگڑ گیا۔ بچارا اسی کی جلن نکال رہا ہے۔" (تفہیم القرآن۔ سورۂ نور کا دیباچہ)

جن لوگوں کے بنے بنائے کھیل کسی دعوت یا تحریک کے ہاتھوں بگڑ جاتے ہیں اور جن کے مفاد کی کمند ایسے عالم میں ٹوٹتی ہے کہ سامنے دو چار ہی ہاتھ پر لبِ بام ہوتا ہے۔ وہ پھر اپنے سینے میں بس بھر ساری عمر پیچ و تاب کھاتے رہتے ہیں۔ ایسے شکست خوردہ حریف کبھی معاف نہیں کیا کرتے! اسلام کے بارے میں یہی کیفیت تھی جس میں عبداللہ بن ابی اوّل روز سے مبتلا ہو گیا تھا اور مرتے دم تک اسی میں مبتلا رہا۔ اوّل اوّل اسلام لے آیا تاکہ اس نئی طاقت کے نظام کے اندر اپنی جگہ بنا سکے اور پھر اس کے اندر سے قدم بہ قدم اوپر اٹھ کر قیادت و اقتدار کی چوٹی تک پہنچ سکے۔ لیکن اس نظام کے اندر سے تو جب بھی کوئی راستہ جاتا تھا وہ ایمان اور عمل کے بل پر طے ہو سکتا تھا۔ سو عبداللہ بن ابی کے لیے نفاق کے سوا کوئی دوسرا مقام نہ تھا۔ ابتداءً یہ نفاق مخفی رہا۔ لیکن ایک دن اچانک اس کے دل کا ناسور پھٹ پڑا اور گندہ متعفن مادہ بہنے لگا۔

ہوا یہ کہ حضورِ پاک سعد بن عبادہ کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لے گئے۔ حضورؐ گدھے پر سوار تھے اور اپنے پیچھے آپ نے اُسامہ بن زید بن حارثہ کو بٹھا لیا۔ یہی اُسامہ بتاتے ہیں کہ راستہ میں ایک جگہ عبداللہ بن ابی مجلس جمائے بیٹھا تھا۔ اس کے گرد قبیلے کے لوگ حلقہ زن تھے۔ سرورِ عالمؐ کا گذر ہوا تو اُسے بُرا لگا اور مُنہ پھیر لیا۔ حضورؐ قریب پہنچے تو سلام کہا، پھر ذرا دیر کے لیے رُکے اور قرآن کا کچھ حصہ پڑھا اور خدا کی طرف دعوت دی۔ خدا کی یاد دلائی اور اس کے غضب سے ڈر دلایا۔ اُسامہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن اُبی دم سادھے بیٹھا رہا اور کوئی بات نہیں کی۔ لیکن جب حضورؐ بات سے فارغ ہو کر

؎ ماہنامہ ترجمان القرآن جلد ۵۴ عدد ۲۔

چلنے لگے تو بڑے گستاخانہ اور بازاری سے انداز میں منہ پھاڑ کے کہا کہ "اے فلاں !" ـــ "بات کرنے کا تیرا یہ ڈھنگ ٹھیک نہیں" ـــ "اپنے گھر میں بیٹھ اور جو کوئی تیرے پاس جائے تو بس اس کو اپنی بات سنا دیا کر" ـــ "اور جو کوئی تیرے پاس نہ جائے اسے تنگ نہ کیا کر اور اس کے گھر میں آ کر ایسی دعوت نہ سنا کہ جو اسے ناگوار ہو" دیکھئے ان الفاظ کو، پرکھیے اس انداز بیان کو! لفظ لفظ زہر میں بجھا ہوا ہے اور حرف حرف سے شرارت اٹھ رہی ہے۔ کیسے دل چھیدنے والے بول ہیں، کیسے اشتعال دلانے والے جذبات ہیں۔

درحقیقت یہ عبداللہ بن ابی نہیں بول رہا تھا، یہ جاہلیت کا مٹتا ہوا دور تھا جو آنے والے دورِ امن و عافیت کے خلاف دل کی بھڑاس نکال رہا تھا۔

اور حضورؐ نے اپنے مقام کی بلندیوں سے پستی کی اس بڑبڑاہٹ کو سنا ـــ اس کریم النفس ہستی کو غصہ کی بجائے اغلباً رحم ہی آیا ہو گا۔

مجلس میں عبداللہ بن رواحہ بھی موجود تھے جو مسلم پارٹی کے رکن تھے۔ ان کی غیرت نے اپنا فرض ادا کیا اور انہوں نے منافقِ اعظم کو ٹنک کر جواب دیا کہ حضورؐ کیوں نہ آئیں، ہم آپؐ کو چاہتے ہیں۔ آپ ہمارے گھروں اور ہماری مجلسوں میں آئیں گے، ہم آپؐ سے محبت کرتے ہیں اور آپؐ ہی کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں سربلندی عطا فرمائی ہے اور آپ ہی کے ذریعے سے ہدایت عطا کی ہے۔

اس تجربے سے گزرنے کے بعد قائدِ انسانیت سعد بن عبادہ کے ہاں پہنچے۔ انہوں نے چہرہ کا ایک خاص رنگ دیکھ کر استفسار کیا۔ آپؐ نے واقعہ بیان کیا۔ سعد نے بھی وہی واقعاتی پس منظر بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کو مدینہ لے آیا، ورنہ ہم اس کے لیے تاج تیار کر رہے تھے۔ آپؐ نے تو آ کر اس کی بادشاہت کا خواب درہم برہم کر دیا ہے۔ مدعا یہ تھا کہ اس کا یہ ردِ عمل قدرتی ہے اسے کچھ اہمیت نہ دینی چاہیے۔

یہ شخص نفاق کے پورے ڈرامے کا مرکزی ہیرو بن کر تاریخ کے اسٹیج پر کام کرتا رہا: سب سے آگے یہ تھا، اس کے پیچھے پیچھے موٹے موٹے یہودی بزرگ تھے، ان کے پیچھے شعوری طور پر نفاق کا کھیل

کھیلنے والے عوام تھے۔ ان کے پیچھے ادھ کچرے اور تھڑدلے مسلمان تھے اور سب سے آخر میں جاہل اور ناسمجھ بدوی تھے۔ تحریک اسلامی کے خلاف جو بھی تو عملی حرکت نمودار ہوتی تھی اس میں درجہ بدرجہ ان مختلف عناصر کا حصہ ہوتا تھا۔

مدینہ میں مسلم جماعت جن جن مخالفتوں اور مزاحمتوں سے دوچار ہوئی اور سرور عالم کو جن جن شر انگیز طوفانی ریلوں کا سامنا کرنا پڑا ان سب میں یہود کے زیر اثر نفاق کی اس فاسد طاقت کا بڑا بھاری پارٹ شامل رہا ہے۔ لہٰذا اگرچہ سارے محاذِ مخالفت پر یہود کی رہی، لیکن جتنے بھی منفی فتنے محسن انسانیت کا راستہ روکنے کے لیے اٹھے ان میں عملاً بہت بڑا حصہ مریضان نفاق کا تھا جو یہود کے آلۂ کار بن کر کام کرتے رہے۔

(بقیہ تزکیۂ نفس)

کہ اس وقت تم کیا کرو گے جب تمہیں ایسے لوگوں کے اندر زندگی گذارنی پڑیگی جو بالکل بھوک کی مانند ہونگے، نہ ان کے اندر عہد کا کوئی احساس ہوگا نہ امانت کا اور ان کے اندر جھگڑے اور اختلافات برپا ہو جائیں گے جس کے سبب سے وہ اس طرح (ہاتھ کے اشارہ سے آپؐ نے سمجھایا) ہو جائیں گے؛ عبداللہ بن عمرو نے پوچھا ایسے حالات کے لیے آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا جب ایسے حالات پیدا ہو جائیں تو جو معروف ہے اس پر عمل کرو اور جو منکر ہے اس سے بچو، اپنی ذات کی فکر کرو اور عوام کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔" (ترمذی)

اس مضمون کی متعدد حدیثیں ہیں جن میں یہی بات اجمال اور تفصیل کے مختلف اسلوبوں سے بیان ہوئی ہے۔ ان سے صاف واضح ہوتا ہے کہ آدمی کو عوام کی اصلاح سے بے تعلق ہونے کی اجازت صرف اس صورت میں ہے جب وہ یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہو جائے کہ اب لوگوں کے اندر کوئی اچھی بات سننے اور قبول کرنے کی سرے سے کوئی صلاحیت باقی ہی نہیں رہ گئی ہے اور ان کو پانے کی کوشش میں اندیشہ ہے کہ کہیں وہ خود اپنے آپ کو نہ کھو بیٹھے۔ اوپر والی حدیث میں حُثالہ کا لفظ استعمال ہوا ہے جو بھوک، چھلکے، بھوسی اور ایسی ردی چیز کے لیے استعمال ہوتا ہے جس سے اب کچھ حاصل ہونے کی توقع نہ ہو یعنی لوگ بالکل ہی بے جان اور بے روح ہو کر رہ گئے ہوں۔ (باقی)